بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

حج کے مبارک سفر سے سعادتوں کے ساتھ واپس آنے والے خوش قسمت برادران کے لیے دیدہ و دل فرشِ راہ۔ آپ کا حج اور آپ کی آمد آپ کے خاندان کے لیے، آپ کی قوم اور معاشرے کے لیے اور سارے عالمِ انسانیت کے لیے مبارک ہو!

مگر محترم بزرگو اور عزیز بھائیو! کیا آپ نے حج کو اچھی طرح جانا اور سمجھا بھی؟ اُس کا چہرہ دیکھا؟ اُس کے خد و خال کو پہچانا؟ اُس سے جو کچھ لینا تھا لیا؟ آپ اپنے ساتھ، اپنے اور دوسروں کے لیے کیا لے کر آئے؟ حج نے آپ سے کچھ باتیں کیں؟ اُس نے کوئی پیغام آپ کو ودیعت کیا؟ یا آپ صرف آبِ زم زم، کھجوریں، جا نمازیں اور تسبیحیں لے کر آ گئے؟ یا آپ کی توجہ اصل شئے مطلوب کے بجائے ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر، قیمتی پارچے اور پھلوں کا رس نچوڑنے والی مشینوں پر مرتکز رہی؟

یہاں پہنچتے ہی آپ استقبالوں کے چکروں میں کھو گئے ہوں گے۔ آپ کی گردن ہاروں کے بوجھ سے لد گئی ہو گی۔ گھر میں داخل ہونے کے بعد دیگیں پکی ہوں گی اور خاندان کے لوگ اور ملنے جلنے والے دفتری یا کاروباری احباب مبارک باد پہنچانے اور دعائیں کرانے کے لیے خوب ہجوم کر کر کے آتے ہوں گے۔ آپ کی کتنی دعوتیں کی گئی ہوں گی۔ پھر دو دو، تین تین ماہ سے رکے ہوئے مسائل نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہو گا۔ اور آپ کو یہ سوچنے کا موقع بھی نہ ملا ہو گا کہ میں حج کر کے آیا ہوں اور اب مجھے ایک نئے دور کا آغاز کرنا ہے۔ جو آپ کے بعد آئیں گے، اُن پر بھی یہی گزرے گی۔

بہت سے حاجی ہیں جو اگرچہ ہمیشہ حاجی کہلائیں گے، مگر وہ اپنے حج سے دور ہوتے جاتے ہیں، جس دُنیا کے مفاد سے وہ کچھ دیر کے لیے الگ ہوئے تھے، وہ پہلے سے زیادہ زور کے ساتھ اُن کے گرد

اپنا گھیرا تنگ کرتی ہے، جن جھگڑوں کو وہ اپنے ذہن سے نوچ کر سے نکلے تھے وہ از سرِ نو ان کو پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ دبوچ لیتے ہیں۔

اصل میں بات بڑی نازک سی ہے۔ ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ شیطان کو اذان کی آواز سخت ناپسند ہے۔ اور وہ کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر اُس سے بھاگتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ وہ جب کسی شخص کو خدا کے سامنے سربسجود دیکھتا ہے تو اُسے بہت ناگوار ہوتا ہے۔ ان اشاروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس قوت کا نام شیطان یا ابلیس ہے۔ وہ انسان کی ہر عبادت اور نیکی سے بیزاری رکھتی ہے — خصوصاً حج جیسی عظیم عبادت سے جو شخص گزر کر آ رہا ہے، اُس کا نام تو درخواست دینے کے دن سے ہی ابلیسی نظام کی لال کتاب میں درج ہو گیا۔ اور لازم ہے کہ اُس کی شدید نگرانی کی جانے لگے۔ اور ہر روز اُس کی ڈائری لکھی جاتی ہو اور اس کے متعلق کارندوں کو احکام اور ہدایات جاری ہوں کہ کہاں کہاں کیسے کیسے اِس آدمی کو خراب کیا جا سکتا ہے۔ شیطینِ جن سے زیادہ ذمہ داریاں شیاطینِ انس کے سر ہوتی ہیں اور یہ اپنا کام دن رات جاری رکھتے ہیں۔ کچھ محبوب اور عزیز لوگ، کچھ کاروبار کے ساتھی، کچھ دفتروں کے ہم نشیں، کچھ گاؤں اور محلے کے خیر خواہ، کچھ دُنیوی معاملات میں مشورے دینے والے، کچھ دین میں نئے نئے شگوفے نکالنے والے، کچھ قصیدہ خوان، کچھ خوشامدی، کچھ خدمت کیش! —— اور ان معتمد اور بے تکلف افراد کے ذہنوں میں ابلیسیت اپنی کمین گاہیں بنا کے بیٹھی ہوتی ہے اور جب کوئی مناسب مرحلہ آتا ہے تو وہ اپنا تیر چلا دیتی ہے۔ گویا یوں بھی ہر آدمی کے گرد ایک طاغوتی "گارڈ" متعین رہتی ہے، لیکن اگر شیطانی نظام کسی شخص کو "خطرناک" قرار دے کر درج فہرست کر لے تو پھر گھیرا ڈالنے والی گارڈ کو بھی زیادہ چوکس کر دیا جاتا ہے اور کچھ چھاپہ مار بھی خودی کو قتل اور ایمان کو مجروح کرنے کے لیے مامور کر دیے جاتے ہیں۔

پس اے حاجیٔ حرمین شریفین! ہوشیار!!

حج فی الواقع بہت بڑی عبادت ہے اور بہت سی عبادات کی جامع!

حج میں ہجرت کا رنگ بھی شامل ہے، اور جہاد کا اسلوب بھی۔ بار بار سفر بھی فی سبیل اللہ اور قیام بھی فی سبیل اللہ۔ اس میں ذکر و دُعا بھی ہے اور رکوع و سجود بھی۔ مزدلفہ کی رات کی خاموش عبادت بھی اور لاکھوں کے مجمع میں یوم عرفہ کا خطبہ بھی۔ احرام کی کفن نما پوشش بھی ہے اور عید کا خوش آئند لباس بھی۔ وہاں آنسوؤں کی جھڑیاں بھی ہیں اور مسکراہٹوں کی کلیوں کی لڑیاں بھی۔ آدمی بیک وقت وہاں یہ ہمہ بھی ہوتا ہے اور با ہمہ بھی۔ تھوڑی دیر کے لیے ترکِ دُنیا بھی ہوتا ہے اور پھر نئی شخصیت کے ساتھ فاتحانہ شان سے دُنیا کے دروازے پر دستک بھی دیتا ہے۔ وہاں ملنے والوں سے جدا ہو کے جاتے ہیں، اور کئی بچھڑے ہوئے لوگ وہاں اچانک مل جاتے ہیں۔ حاجی کا محدود خاندان چھوٹ جاتا ہے، مگر وہ ایک نئے عالمی خاندان کا فرد بن جاتا ہے۔ بے شمار قبیلے اُس کے اپنے بن جاتے ہیں، کتنے ممالک اُسے اپنے ملک لگنے لگتے ہیں، مختلف بولیوں میں وہ ایک ہی جیسے معانی جھلملاتے دیکھتا ہے۔ وہ چوبچوں جیسی تنگ عصبیتوں اور تالاب جیسی محدود قومیت سے آگے بڑھ کر وحدت کے ایک سمندر میں شامل ہو جاتا ہے۔

حاجی جب اللہ اکبر کہتا ہے تو وہ یہ اقرار کرتا ہے کہ میں نے دل سے مان لیا کہ خدا ساری قوتوں سے بڑی قوت ہے اور اُس کا دین برتر ہے اور اُس کا قانون سب سے فائق ہے، اس کا اقتدار سب پر غالب ہے اور اُس کا حکم ہر طرف جاری و ساری ہے۔ وہ جب لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہتا ہے تو دراصل اپنے آپ کو بارگاہ الٰہی میں پیش کرتا ہے کہ مَیں آپ کی پکار پر حاضر ہوں اور عمل سے اقرار کرتا ہے کہ جدھر آپ بُلائیں گے، اُدھر مجھے حاضر پائیں گے، جدھر سے آپ ہٹائیں گے میں اُدھر سے ہٹ جاؤں گا۔ پھر اپنے احرام سے وہ یہ گواہی دیتا ہے کہ مَیں نے اپنے آپ کو موت کے اُس خط پر کھڑا کر دیا ہے جس سے مجھے ایک نہ ایک دن آگے جانا ہے۔ اور زندگی کا حساب پیش کر کے جزاء و سزا سے حصّہ پانا ہے۔ وہ جب بیت اللہ نامی مکان کا طواف کر رہا ہوتا ہے تو دراصل اُس کی رُوح خداوند لامکانی کا طواف کر کے یہ ظاہر کرتی ہے کہ میرا مرکز و محور صرف ذاتِ الٰہی ہے، اس کی طرف لپکنا، اسی سے محبت، اسی کے لیے فدائیت اور اسی کی اطاعت! وہ جب حجرِ اسود کا استلام کرتا ہے تو دراصل اپنے ربّ و اِلٰہ کے سنگِ آستاں کو اُس کے جذبات چوم رہے ہوتے ہیں۔ وہ جب مقام ملتزم پر کھڑے ہو کر ایمان و بخشش کی

دعائیں کرتا ہے اور اپنے والدین کی مغفرت کی درخواست کرتا ہے تو گویا وہ ایوانِ جاناں کی چوکھٹ کو تھامے ہوئے ہوتا ہے۔ اور بے اختیار روتا ہے۔ وہ صفا و مروہ میں سعی کرتا ہے۔ اور پھر لمبی پیاس کے ماروں کی طرح پیٹ بھر کر آبِ زم زم پیتا ہے۔ اگر جذبہ صحیح ہو تو یہ آبِ زمزم وجہ شفاء القلوب ہے اور قلوب اگر صحت مند ہوں تو بدن آسانی سے امراض کا شکار نہیں ہوتے۔ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ علیہما السلام کے احوال و جذبات سے حصہ پانے کے لیے صدیوں پہلے کی تاریخ کو کھینچ لاتا ہے۔ وہ جب عرفات کے بے پایاں ہجوم میں موجود ہوتا ہے تو اُس کے سامنے میدانِ حشر کا سا نقشہ آجاتا ہے۔ وہ قربانی کرتا ہے تو دراصل اس کا استعارہ یہ ہوتا ہے کہ میں اپنے آپ کو اسی طرح احکامِ الٰہی کے تحت قربانی کے لیے پیش کر دوں گا۔ جس طرح حضرت اسمٰعیل نے برضا و رغبت پوری شانِ صبر کے ساتھ پیش کر دیا تھا۔ نیز میں اسی طرح غلبۂ دین کے لیے اپنے بچوں کی ہلاکت کو گوارا کر دوں گا۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے خدائی اشارے پر اپنے محبوب اور جواں سال بچے کو نثار کر دینا بخوشی گوارا کیا تھا۔ یہاں اُسے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل میں جو آدابِ فرزندی ابراہیمی تعلیم و تربیت نے پیدا کیے تھے، وہی اسے اپنی اولاد میں پیدا کرنے ہیں۔ پھر قربانی دینے کی اصل اسپرٹ یہ ہے کہ میرے دل میں جو محبتیں، جو خواہشیں اور جو اُمنگیں پائی جاتی ہیں اُن میں سے جس کے لیے مالک کی طرف سے امتناعی حکم میرے سامنے آئے گا، میں اُسے قربان کر دوں گا۔ تب اس کے دل میں حضرت ابراہیم کے اس ارشاد کا صحیح مفہوم نقش ہو جاتا ہے کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العلمین کے لیے ہے۔

حاجی جب مقامِ ابراہیم پر نوافل ادا کرتا ہے تو اُس کے کانوں میں باپ بیٹے کی دعائیں گونجنے لگتی ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

> اور یاد کرو، ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اُٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے: "اے ہمارے رب، ہم سے یہ خدمت قبول فرما لے، تُو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے رب! ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیعِ فرمان) بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اُٹھا جو تیری مسلم ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا، اور ہماری کوتاہیوں سے

درگزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور اے رب! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات سنائے۔ اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور اُن کی زندگیاں سنوارے، تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔"

حاجی اس دعا کی صدائے بازگشت سنتے ہوئے یہ نقطہ پالیتا ہے کہ جس گھر کی تعمیر کا ذکر ہے، وہ حرم ہے جو اُس کے سامنے ہے۔ یہ توحید پر استوار ہوا ہے۔ یہ سچے خدا پرستوں کا ایک مرکز دل و نظر ہے، یہ امن کا ایک سرچشمہ ہے، انسانیت کی پناہ گاہ ہے اور اس کی یہ شان برقرار رکھنا اصلاً اللہ تعالیٰ کے اپنے اہتمام سے ہے لیکن ظاہری طور پر رسول کے بعد پوری اُمتِ محمدیؐ کا فریضہ ہے کہ وہ خدا کے اس گھر کو طواف، اعتکاف اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لیے ہر قسم کے شرک کی آلائش اور ہر قسم کے فساد کی رکاوٹ سے پاک رکھیں۔

پھر اس دعا میں یہ آرزو کی گئی ہے کہ دعا کرنے والوں کو مسلم بنا۔ ایک حاجی کو بھی یہ جذبہ اُن فضاؤں سے نچوڑ کر لانا چاہیے کہ وہ مسلم بن کر رہے، وہ خدا کا مطیع فرمان ہو، وہ نہ بغاوت و سرکشی اختیار کرے، نہ شرک و نفاق کی راہیں نکالے۔ مسلم ہو تو حنیف ہو، یکسو ہو، ایک ہی رب سے لَو لگائے اور ایک ہی الٰہ کے جلووں سے دل کے پنہاں خانے کو روشن کرلے۔

ساتھ ہی دعا یہ بھی بتاتی ہے کہ مسلم بن کے عبادت گزارانہ زندگی گزارنے کے لیے طور طریقے مقرر کرنا اور بتانا خدا کا کام ہے۔ مانگنے والوں نے اُسی سے طلب کی کہ وہ عبادت کے طریقے بتلائے۔

پھر دعا کرنے والوں نے صرف اپنے لیے ہی نعمتِ اسلام نہیں مانگی، بلکہ اپنی نسل سے بننے والی قوم کے لیے یہ درخواست بھی کی کہ اس کو اپنا مسلم و مطیع بنایئے گا اور اُس کے اندر سے اپنا رسول مبعوث فرما کر ان کو بھی صحیح راہِ عبادت اور طریقۂ اسلام بتایئے۔ معلوم ہوا کہ خدا کے رسول کا دامن تھامے بغیر اور اس کی لائی ہوئی الہامی تعلیم کو قبول کیے بغیر زندگی میں نہ عبادت کا رنگ پیدا کیا جاسکتا ہے، نہ مسلم بن کے جینا ممکن ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ رسول آئے اور خدا کی آیات بندوں تک پہنچائے، ہدایت اُن کو پڑھ کر سنائے۔ پھر خدا کی کتاب اور حکمتِ دین کی اُن کو وسیع تر تعلیم دے، پھر اُن کی زندگیوں کو فکری و اعتقادی لحاظ سے بھی اور اخلاقی، معاشی اور سیاسی لحاظ سے بھی سنوارے۔

معمارانِ کعبہ کی یہ دعا تو پوری ہوچکی کہ خدا کا آخری رسولؐ شہرِ حرم ہی میں مبعوث ہوچکا۔ وہ خدا کی

کتاب سونپ گیا۔ وہ آیات پڑھ کر سنا گیا۔ اُس نے کتاب وحکمت کی تعلیم ۲۳ برس تک وسیع زمانے میں نت نئی صورتِ حالات کے اندر دی۔ اُس نے زندگیاں سنوار کر نہ صرف اعلیٰ درجے کے افراد ہزارہا کی تعداد میں پیدا کر دکھائے، بلکہ ایک معاشرہ بنا کر اور ایک ریاست چلا کر بھی دکھا دیا۔ یعنی انفرادی مسلمانی اور اجتماعی مسلمانی ساتھ ساتھ نشوونما پاتی گئیں۔

اب تو سوال صرف یہ ہے کہ ہم سب مسلمان اِس تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ حیات سے سبق لے کر اپنی اور معاشرے کی زندگی کو کیسے اسلامی زندگی بناتے ہیں۔

میرے محترم اور پیارے حجاج بھائیو! یہ فریضہ آپ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ توجہ چاہتا ہے۔ کیا آپ اس فریضے کے ادائی کے لیے تیار ہیں؟

شعائرِ حج کا ایک اہم موقع وہ ہے جب آپ شیطانوں کو کنکریاں مار رہے تھے۔ کیا اُس وقت آپ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ شیطان بس یہ تین ہیں، جو تین کھمبوں کی شکل میں آپ کے سامنے ہیں؟ آپ کو یہ مغالطہ تو نہیں ہوا کہ شیطان صرف خارج ہی خارج میں ہو سکتا ہے؟ کچھ آپ کو احساس ہوا کہ آپ کے گرد اور آپ کے اندر گھس کر شیاطین ساری عمر شرپسندانہ حرکات کرتے رہتے ہیں؟ کیا آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کی کچھ خواہشیں اور جذبے ہیں، جنہیں ضرورت سے زیادہ اُکسا کر وہ آپ کو ایسی کشمکش میں مبتلا کرتے رہتے ہیں جو کبھی دانستہ اور کبھی نادانستہ طور پر آدمی کو غلط سمت میں لے جاتی ہے؟ کیا آپ کے تصور میں یہ بات بھی آئی کہ یہاں سے پلٹ کر آپ کا سابقہ پھر انہی شیاطین سے پڑے گا۔ اور آپ کی پھینکی ہوئی کنکریاں اُس وقت تک اُن کو سنگسار نہیں کر سکتیں جب تک کہ آپ کچھ کنکریاں اپنے دل و دماغ کے غلط رجحانات پر اور اپنے اعزہ و احباب کی غلط خواہشوں اور نظریات کو بھی نہ ماریں؟ کیا کبھی پہلے اِدھر بھی کوئی کنکری آپ نے پھینکی؟ یا کم از کم کیا اب شیطانوں کی رمی کے ظاہری عمل سے سبق لے کر زندگی کی حقیقی مفسدہ انگیز قوتوں کے خلاف رمی کرنے کا ارادہ ہے؟

اگر زندگی کی فاسد و مفسد قوتوں کے خلاف —— خواہ وہ قلبی و ذہنی ہوں یا خارجی، انفرادی ہوں یا اجتماعی افکار کے میدان میں کام کریں یا اعمال کے دائرے میں —— آپ سنگباری کا

سبق وادیٔ محشر سے سیکھ آئے ہیں تو آپ نے حج کی رُوح پالی ۔

آپ جس معاشرے کو چھوڑ کر گئے تھے اور جس میں واپس لوٹے ہیں، اُس کے احوال پر ذرا غور سے نگاہ ڈالیے ۔

یہاں دین سے عملی وابستگی رکھنے والوں اور سچے خدا پرستوں کی بہت کم تعداد پائی جاتی ہے ۔ یہاں عظیم معلمِ توحید حضرت ابراہیمؑ کے واضح کردہ مسلک کے مطابق ہر طرف سے منہ موڑ کر اور صرف خدائے واحد کی عبادت و اطاعت میں لگ جانے والوں اور شرک اور نفاق اور تضاد اور دو عملی و دو رنگی سے پاک افراد آٹے میں نمک کی طرح ہیں۔ اسلامی تقریروں، اسلامی کتابوں، اسلامی تقریبوں، اسلامی میلوں، اسلامی عرسوں، اسلامی جلوسوں، اسلامی مشاعروں، اسلامی "یوموں" اور اسلامی نعروں کے خوشنما غلافوں کو دیکھ کر ہم سب کی طبیعتیں بہلتی ہیں، مگر غلافوں کو ہٹائیں تو نیچے کہیں تو کھلی لادینیت ملتی ہے، کہیں بے قید سیکولر زندگی، کہیں مختلف آلائشوں کے ساتھ پائی جانے والی مذہبیت، کہیں تعصب و تحزب کے مارے ہوئے فرقوں کے مناظرانہ محاذ!

یہی وجہ ہے کہ مسلمان وہ فارمولا ہی بھول گئے جس کے تحت متفرق اختلافات کے باوجود اصولوں پر مبنی وحدت قائم رہتی تھی اور ایک خیال کا مسلمان دوسرے نقطۂ نظر کے مسلمان کے لیے سچا جذبۂ اخوت رکھتا تھا۔

مسئلہ صرف پاکستان ہی کا نہیں، سارے عالمِ اسلام کی حالت یکساں ہے ۔ فرد افراد سے، خاندان خاندانوں سے، سیاسی گروہ سیاسی گروہوں سے، قائدین قائدین سے، مذہبی جتھے دوسرے مذہبی جتھوں سے، جمہور حکمرانوں سے اور حکمران جمہور سے برسرِ کشمکش ہیں، ہر کوئی اپنے آپ کو دوسروں پر ٹھونسنا چاہتا ہے ۔ کوئی روحانیت کے زور سے، کوئی علم کے زور سے، کوئی دولت کے زور سے، کوئی جتھابندی کے زور سے اور کوئی قانون اور عہدے کے زور سے! نتیجہ ہر سطح پر، ہر دائرے میں معاشرے کی شکست و ریخت ہے ۔

آپ کا یہ معاشرہ دولت پرستی اور آسائش پسندی اور معیار پرستی میں اتنی دُور نکل گیا ہے کہ معاش کی اکثر و بیشتر پگڈنڈیاں اب حرام کی وادی سے گذرتی ہیں۔ آج رزقِ حلال کا حصول انتہائی کٹھن ہوگیا ہے۔

امتحانات میں تعلیم گاہوں کے داخلوں میں، ہسپتالوں میں جگہ کے حصول اور عملے کی توجہ اور دواؤں کے حصول میں، مختلف بھرتیوں میں، بھرتیوں کے انٹرویوز میں، تبادلوں اور ترقیوں میں، مواقعِ مفاد تک رسائی میں ہر جگہ خیانت کی چوکیاں قائم ہیں۔ عوام کے لیے فارم بازی بڑھ گئی ہے اور وہ سال میں کئی کئی بار اور کئی کئی دن دفتروں کے چکر لگاتے ہیں اور ہر چکر میں کچھ مال پلّے سے دیتے ہیں، کچھ تکلیف اٹھاتے ہیں، کچھ عزت گنواتے ہیں۔

خیانت کی اس وبا میں اضافے کی ایک وجہ یہ ہے کہ قوم گرانی کے سامنے سامنے پانی اور بجلی اور سوئی گیس کے بڑھتے ہوئے نرخوں کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہے اور ٹیکسوں میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

زندگی کا ایک ایک لمحہ گذارنا عار اشگافی اور کوہ کنی کا تقاضا کرتا ہے۔

آپ کے معاشرے میں بے پردگی کا رجحان بڑھ رہا ہے، فحاشی کے سرچشمے جاری ہیں۔

آپ کے معاشرے میں جرائم بڑھ رہے ہیں، نہایت وحشیانہ تشدد اور سیاسی قتل کے حوادث بار بار ہونے لگے ہیں۔ محافظِ امن اداروں کی طرف سے جو تحفظ عوام کو حاصل تھا، روز بروز کم ہو رہا ہے۔ ہر آدمی کو خوف اپنے پنجوں میں دبوچ رہا ہے۔

اِن حالات میں زندگی کی اُلجھنیں بڑھ گئی ہیں، انسانی رابطوں میں کمی آرہی ہے اور ہر فرد تنہا ہوتا جا رہا ہے، اِس تنہائی کے عالم میں اس کے اعصاب ذہنی اور معاشی بوجھ میں مسلسل اضافے سے چٹخنے لگے ہیں۔ ہر شخص پریشانیوں اور اضطرابات میں گھرا ہوا ہے۔ اِن وجوہ سے اعصابی خلل، دماغی اضمحلال، خون کے دباؤ کی کمی بیشی اور دل کے دوروں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

محترم حاجیانِ حرمین شریفین! اب آپ آئے ہیں تو اپنے اس مصیبت زدہ معاشرے پہ رحم کھا کر کوشش کیجیے کہ یہاں خدا پرستی، رزقِ حلال اور اطمینانِ قلب کا دَور دَورہ ہو۔ اس مقصد کے لیے آپ کام کرنے کی راہیں تلاش کریں۔ کچھ نُور اگر آپ نے دورانِ حج حرم سے حاصل کیا ہے تو اب قوم کی تاریکیوں میں اسے پھیلانے کی فکر کیجیے۔ کچھ دوڑ دھوپ کیجیے، کچھ تگ و تاز کیجیے، دروازے کھٹکھٹایئے،

بھٹکتی روحوں کو پکاریئے، مئے سکینت کے خموں کے دہانے کھول دیجئیے۔ الحاد اور لادینیت، حرام خواری اور تنگیٔ معیشت، بے حجابی اور بد قوامگی کے خلاف ایک محاذ آراستہ کیجیے۔ مخالفِ اسلام نظریات اور رسوم و اطوار کو چیلنج کیجیے۔ پاکستان کی وحدت و سالمیت کے مخالفوں اور غایتِ پاکستان کے دشمنوں کے ہاتھ پکڑ لیجیے۔

کیا حج سے حاصل کردہ اسپرٹ آپ کو اس جہادِ عظیم کے لیے نہیں پکارتی؟

کتنی عجیب بات ہے کہ کسی قوم کے کئی ہزار افراد ہر سال حج کر کے آتے ہوں اور پھر بھی اس کے اعتقادی اور اخلاقی احوال خراب رہیں۔ اگر پاکستان بننے کے بعد ۳۵ سال تک حج کرنے والوں میں سے صرف ایک ہزار بیدار دل حاجی بھی ہر سال میدان میں اتر جاتے اور ہر سال ایک حاجی دس افراد کے سینوں میں ایمانِ باعمل کی شمعیں فروزاں کر دیتا تو خدا پرست، محبت کیش، نصفت شعار لوگوں کی ایسی صفیں کی صفیں تیار ہو جاتیں جو اسلام کو ایک زندہ قوت میں بدل سکتی تھیں۔

اگر آپ ہمارے ذہنی احوال کو دیکھیں تو ہم میں بے حسی بھی ملے گی، جمود بھی ملے گا۔ بے روح اعتقادات ملیں گے، ان پر مناظرانہ بحثیں ملیں گی، رسمیات کی ایک مستقل شریعت ملے گی، شرک و بدعت کے مظاہر ملیں گے۔ اس طرح معاشی زندگی میں ایک طرف فاقہ مستیاں اور دوسری طرف چیرہ دستیاں، ایک طرف بے روزگاری اور دوسری طرف اسراف و تبذیر، ایک طرف مجبوری و بے بسی اور دوسری طرف ظلم و تشدد، دفتری زندگی میں کام چوری اور رشوت، کاروبار میں چور بازاری اور ملاوٹ اور گراں فروشی، سماجی طور سے غلاظت و جہالت اور بیماری و بیکاری، امن کے پہلو سے جرائم اور لوٹ مار۔ آخر اس فضا کو بدلنے کے لئے ہمارے لاکھوں حاجیوں کا حج انقلاب آفریں کیوں نہیں بنتا۔

کلمہ ایک انقلابی نور ہے، اذان انقلابی پکار ہے، نماز روزہ انتہائی انقلاب انگیز عبادتیں ہیں، صدقہ خدائی انقلاب کے علمبرداروں کی توانائی ہے — اور حج جو بہت سی عبادات کا جامع ہے، وہ تو تاریخ میں بہت عظیم مد و جزر پیدا کرنے والی طاقت ہے۔ تبدیلی نہ کلمے میں آئی ہے، نہ اذان اور نماز میں، نہ روزہ و صدقہ میں اور نہ حج و قربانی میں البتہ جمود آفریں تبدیلی خود ہمارے اندر آئی ہے۔

زندگی کے تمام خدوخال منجمد ہو گئے ہیں۔ تحریکیت کا سیلابی دریا یخ بستہ ہو گیا ہے۔ برودت یہاں سے وہاں تک چھائی ہوئی ہے۔

پیارے حاجیو! اس روگ کا کچھ درمان کرو، اور جو کوئی ایسی فکر و کاوش کرتا ملے، اس کی قوتوں کے ساتھ اپنی قوتیں ملا دو۔

پھر یہ ساری وادیٔ ملت جاگ اٹھے گی، سل پتھر بنے ہوئے یکسر زندہ ہو جائیں گے، قبروں سے مردے کفن پھاڑ کر سر اٹھا دیں گے، ذرّے کروٹ لے کر آفتاب بن جائیں گے اور چاروں طرف اجالا پھیل جائے گا۔

مگر یہ سب کچھ کیوں نہیں ہوتا!

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حج اور شعائرِ حج کی حقیقت کا پوری طرح شعور نہیں ہوتا۔ چنانچہ کتنے ہی طائفینِ حرم ہیں جو واپس آ کر پھر وہی کے وہی کام کرنے لگ جاتے ہیں، انہی نزاعات میں پڑ جاتے ہیں۔ مفاد کے اسی جھگڑے میں آ کر جُت جاتے ہیں، اور حج کے تموجات کے بعد اپنی سطح اسی طرح ہموار کر لیتے ہیں جیسے سب کچھ پہلے تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر حاجی مطمئن ہو کر لوٹتے ہیں کہ اگلے پچھلے گناہ معاف ہو گئے اور اب اُن کی روح ٹھیک ٹھاک ہو گئی ہے، لہٰذا وہ دوبارہ اپنی دُنیا کی دلفریبیوں میں مگن ہو جاتے ہیں، بلکہ حاجی ہونے کے بعد انہیں اور زیادہ تسلّی ہو جاتی ہے کہ کاروبار، ملازمت یا سماجی معاملات کی خرابیوں کو ڈھانپنے کے لیے ایک اچھا زرکار غلاف اُن کو میسّر آ گیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض حاجیوں میں اپنے متعلق ایک طرح کا احساسِ عظمت و افتخار پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اُن کے گرد و پیش کے لوگ اور اُن کا گھریلو اور سماجی ماحول بھی اُن کے احساسِ افتخار کو پرورش دیتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ تو مقامِ کبر تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہ اپنے حلقے میں دینی اتھارٹی بن جاتے ہیں۔ دوسروں کو ٹوکتے ہیں، مگر اُن کو ٹوکنے کی جرأت کوئی نہیں کرتا۔ یہ پندارِ بعدِ حج کی برکات کے حصول میں حجاب بن جاتا ہے۔ پھر نہ اُن کی ذات میں کوئی تبدیلی آتی ہے، نہ وہ اپنے گھر کے ماحول کو سنوارنے کی فکر کرتے، نہ کاروبار کا نقشہ بدلتے ہیں، نہ عادات و اطوار کے بُرے پہلوؤں کو چھانٹ کر اُن کو نئی ترتیب دیتے ہیں،

نہ ہی وہ قومی، ملکی اور ملّی مسائل میں راہ حق کی تلاش کے لیے فکر مند ہوتے ہیں۔

چوتھی وجہ کچھ لوگوں کی حد تک یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ حج کے بعد مکمل طور پر دنیوی مشاغل کو ترک کر کے جا نماز اور تسبیح کو سنبھال لیتے ہیں۔ اُن کی تسبیح اور جا نماز کے حلقے کے باہر کی دنیا ایمانی و اخلاقی طور پر تباہ ہوتی رہے تو وہ بے نیاز رہ کر اپنی عاقبت سنوارنے میں لگے رہتے ہیں۔ خاص طور سے وہ حضرات جن کی اولادیں اور گھر کے لوگ اُن کو بڑی خوش اسلوبی سے عملی زندگی سے ریٹائر ہو جانے کے مشورے دیتے رہتے ہیں۔ حج کے بعد وہ دکان، دفتر، کھیت سے انہیں بے تعلق کرنے کے لیے نہایت درجہ ادب و احترام کے انداز سے بہت آرام دہ حالات میں اللہ اللہ کرنے کے مواقع مہیا کرتے ہیں۔ اس طرح وہ قوت جو ہر سال حج سے پیدا ہونی چاہیے، وہ اصلاحِ زندگی کے کام کے لیے غیر مؤثر بن جاتی ہے۔

بس اے محترم اور پیارے حاجیانِ حرمین شریفین!

آپ پوری سوچ بچار سے یہ عہد کر کے اپنے ہاں نئی زندگی کا آغاز کریں کہ ایک طرف آپ کو اپنی ساری سرگرمیوں کا جائزہ لے کر اُن تمام چیزوں کو چھانٹ دینا ہے جو خلافِ دین ہیں یا مشتبہ یا لغو ہیں۔ اپنے نئے مشاغل کا پورا نقشہ از سرِ نو تیار کرنا ہے۔ دوسری طرف آپ کو اپنے گھر کے ماحول کو بدلنا ہے۔ ایک حاجی کے گھر میں نماز اور قرآن کا ذکر دورہ ہونا چاہیے۔ ایک حاجی کے گھر میں پردے کا صحیح شرعی اہتمام ہونا چاہیے اور بے پردگی کے ساتھ ساتھ منافقانہ پردے کا سلسلہ رک جانا چاہیے۔ ایک حاجی کے گھر میں نہ حرام مال داخل ہونا چاہیے، نہ ناہنجار قسم کی رسمیں اور فیشن پنپنے چاہئیں۔ تیسری طرف آپ کو یہ فکر کرنی ہے کہ آپ اپنے محلّے، اپنے علاقے یا شعبے یا اپنے کاروباری یا دفتری حلقے میں خدا اور رسول ؐ کے دین کی دعوت کس طرح پھیلائیں اور اس کام میں کس جماعت یا ادارے یا کن افراد کے ساتھ تعاون کریں۔

حج کے بعد دعوتِ دین کا آپ کو زبردست علمبردار ہونا چاہیے۔ خدا آپ کو حج کے بعد کی زندگی میں مزید سعادتیں اور برکتیں عنایت فرمائے۔